# موت کی یاد!

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی ○

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس دارِفانی میں انسان کی زندگی بہت مختصر اور اس کے مال واسباب سے لطف اندوزی محض ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔ اسے ایک نہ ایک دن موت سے دوچار ہونا، یعنی اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اللہ رب العزت نے اولین انسان حضرت آدمؑ وحضرت حوّاؑ کو زمین پر اتارتے ہی یہ اٹل حقیقت ان کے سامنے واضح کردی تھی اور گویا ان کے واسطے سے پوری بنی نوع انسان کو اس سے باخبر کردیا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴿۳۶﴾ (البقرۃ ۲:۳۶) اور تمھارے لیے زمین میں ٹھکانا اور (یہاں کے) متاع سے نفع اٹھانا ہے ایک خاص مدت تک کے لیے۔

صاحبِ معارف القرآن نے اس آیت کی تشریح میں یہ رقم فرمایا ہے: ''یعنی آدم وحوّا علیہما السلام کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھیرنا ہے اور ایک میعادِ معین تک کام چلانا ہے، یعنی زمین پر جا کر دوام نہ ملے گا، کچھ مدت کے بعد یہ گھر چھوڑنا ہوگا''۔[1]

اس مسلّمہ حقیقت پر روزمرہ کی واقعاتی شہادتوں کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ موت کا آنا اس قدر یقینی ہے کہ قرآن نے اسے 'الیقین' سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴿۹۹﴾ (الحجر ۱۵:۹۹) ''اور امرِ یقینی (یعنی موت) کے آنے تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو''۔

یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ انسان کو روزانہ نیند کی صورت میں موت یاد دلائی جاتی ہے۔ رات میں سونے کو اس پہلو سے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس حالت میں اللہ رب العزت کے حکم سے

انسان کے ہوش وحواس، فہم وادراک عارضی طور پر معطل کر دیے جاتے ہیں اور ظاہری طور پر اس پر موت طاری کردی جاتی ہے۔ غالباً اسی وجہ سے بعض علما نے نیند کے لیے 'وفاتِ صغریٰ' اور موت کے لیے 'وفاتِ کبریٰ' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس باب میں سب سے اہم رہنمائی قرآن کریم سے ملتی ہے جس میں نینداور موت کے تعلق کو اور روزانہ موت کی یاد دہانی کو اس طور پر بیان کیا گیا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الزمر ۳۹: ۴۲) اللہ ہی وفات دیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی ہوتی ہے ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں، تو جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے ان کو تو روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقتِ مقرر تک کے لیے رہائی دے دیتا ہے۔ بے شک اس کے اندر بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں۔

صاحبِ تفہیم القرآن اس آیت کے قیمتی نکات کی توضیح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ ہر انسان کو یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ موت اور زیست کس طرح اس کے دستِ قدرت میں ہے۔ کوئی شخص یہ ضمانت نہیں رکھتا کہ رات کو جب وہ سوئے گا تو صبح کو لازماً زندہ ہی اٹھے گا۔ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا آفت آسکتی ہے اور دوسرا لمحہ اس پر زندگی کا ہوتا ہے یا موت کا۔ ہر وقت سوتے میں یا جاگتے میں، گھر بیٹھے یا کہیں چلتے پھرتے آدمی کے جسم کے اندر کوئی اندرونی خرابی یا باہر سے کوئی نامعلوم آفت یکایک وہ شکل اختیار کرسکتی ہے جو اس کے لیے پیامِ موت ثابت ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۷۵)

مزید برآں مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت کی جو مختصر تشریح فرمائی ہے وہ بھی قابلِ ذکر ہے:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ جان داروں کی اَرواح ہر حال، ہر وقت اللہ تعالیٰ کے زیرِ تصرف ہیں۔ وہ جب چاہے ان کو قبض کرسکتا ہے اور واپس لے سکتا ہے اور اس تصرفِ خداوندی کا ایک مظاہرہ تو ہر جان دار روزانہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے کہ نیند

کے وقت اس کی روح ایک حیثیت سے قبض ہو جاتی ہے، پھر بیداری کے بعد واپس مل جاتی ہے، اور آخر کار ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ بالکل قبض ہو جائے گی، پھر واپس نہ ملے گی۔ (معارف القرآن، ج ۷، ص ۵۶۲)

حقیقت یہ کہ موت کسی کی بھی ہو وہ باعث عبرت وسبق آموز ہوتی ہے۔ اسے یاد کر کے سب سے پہلا سبق جو ملتا ہے اور سب سے پہلی یاد دہانی جو ہوتی ہے وہ یہ ہے:

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

● **موت کی یاد میں حکمت:** موت کی یاد دنیوی زندگی کے عارضی و فانی ہونے کے علاوہ ایک دو نہیں، بہت سے دیگر حقائق کی یاد دہانی کا ذریعہ بنتی ہے، بعد کے مراحل یاد دلاتی ہے اور نہایت قیمتی اسباق ساتھ لاتی ہے۔ قرآن کریم و حدیث دونوں میں یہ حقائق انسان کی عبرت کے لیے بڑی تفصیل سے واضح کیے گئے ہیں۔ قرآن کی نظر میں موت کو یاد کرنا کس قدر اہم ہے، اس کا ایک واضح ثبوت یہ ہے کہ صرف لفظ 'موت' ۵۰ سے زائد آیات میں مذکور ہے اور اس سے ماخوذ یا اس پر مبنی الفاظ (افعال واسماء) اس کے علاوہ ہیں جو سیکڑوں بار قرآن میں آئے ہیں۔ یہاں اس نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں موت کے ذکر کے ساتھ اس کے بعد کے مراحل بھی یاد دلائے گئے ہیں۔ ان میں اہم ترین و قابلِ تذکیر یہ ہیں: بعث بعد الموت، اللہ رب العزت کے حضور حاضری، اعمال کے بارے میں باز پرس، نتیجہ یا اعمال نامہ کا ہاتھ میں آنا اور اسی کے مطابق جزا کا نصیب ہونا یا سزا سے دوچار ہونا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ''ہر شخص کو ایک نہ ایک دن موت کا مزا چکھنا ہے''۔ اس حقیقت کو قرآن مجید کی تین آیات (اٰل عمرٰن ۳:۱۸۵، الانبیاء ۲۱:۳۵، العنکبوت ۲۹:۵۷) میں یاد دلایا گیا ہے اور ان تینوں آیات کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر مجموعی نظر ڈالنے سے موت کے بعد کے اہم مراحل سامنے آجاتے ہیں۔

یہ آیات ملاحظہ ہوں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ (اٰل عمرٰن ۳:۱۸۵) ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے اور یقین [کرلو کہ] تم سب یومِ قیامت پورا پورا اجر پاؤ گے، پس جو شخص جہنم

کی آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ دراصل کامیاب ہوا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الانبیاء۲۱:۳۵) ہر شخص کو موت سے دوچار ہونا ہے اور ہم تم کو برے و اچھے حالات سے آزماتے ہیں، آخرکار ہمارے ہی پاس تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (العنکبوت۲۹:۵۷-۵۸) ہر شخص کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارت میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ہے [نیک] عمل کرنے والوں کے لیے۔

اسی ضمن میں یہ آیت بھی پیشِ نظر رہے:

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (الجمعۃ۶۲:۸) ان سے کہہ دو! جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمھارے پاس آکر رہے گی، پھر تم اس (اللہ) کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر سب کچھ جاننے والا ہے، پس وہ تمھیں بتائے گا [اس چیز کے بارے میں] جو کچھ [دنیا میں] کرتے رہے ہو۔

یہ اور اس نوع کی دوسری آیات (بالخصوص آخری پارہ کی سورتوں میں مذکور آیات) پر غور وفکر سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کو بار بار صرف موت نہیں یاد دلائی گئی ہے، بلکہ یہ نکات بھی ذہن نشیں کرائے گئے ہیں کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں وہ ہر لمحہ امتحان سے گزر رہا ہے، اسے ہر حال میں موت سے دوچار ہونا ہے، اور پھر اسے دوبارہ زندہ کر کے اللہ رب العزت کے سامنے حاضر کیا جائے گا اور اسی کے مطابق اس کی کامیابی و ناکامی کا فیصلہ ہوگا۔ پہلی صورت میں اسے سکون و آرام بھرا گھر (جنت) نصیب ہوگا اور دوسری صورت میں اس کا ٹھکانا (جہنّم) نہایت

تکلیف دہ اور بُرا ہوگا۔ اسی ضمن میں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مضامین کے اعتبار سے قرآن کے اساسی علوم کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے ایک کو 'علم تذکیر بالموت و مابعدالموت' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی یہ وضاحت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد دراصل یہی علومِ پنجگانہ ہے۔ اب یہ واعظین و مذکّرین کا فریضہ ہے کہ وہ ان کی تفصیلات کو محفوظ رکھیں اور متعلقہ احادیث وآثار کے حوالے سے ان سے لوگوں کے لیے استفادہ کو آسان بنائیں۔[۲]

موت اور متعلقہ امور کے بارے میں وارد قرآنی آیات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ موت اور بعد کے احوال (اللہ رب العزت کے سامنے حاضری، حساب و کتاب سے گزرنا اور عقیدہ و اعمال کے مطابق جزا یا سزا کے قانونِ الٰہی کا جاری ہونا) کی یاد تازہ کرنے سے اصلاً مقصود یہ ہے کہ یقینی طور پر پیش آنے والے ان واقعات کو یاد کرتے ہوئے لوگوں کے قلوب خشیت و انابت الی اللہ کی کیفیت سے معمور ہوجائیں، انھیں اصلاحِ احوال کی فکر دامن گیر ہوجائے، وہ اللہ ربّ العزّت کی عبادت اور نیک اعمال میں اپنے کو سرگرم رکھیں، گناہوں کی طرف بڑھتے ہوئے ان کے قدم رک جائیں اور وہ نیکیوں کی طرف تیز قدم بڑھانے والے بن جائیں، یعنی خوش گوار، پُرسکون اور نعمتوں سے معمور مستقر ومسکن کی طلب میں وہ سرگرداں رہیں۔

یہاں اس جانب توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موت اور بعد کے مراحل کو بار بار (اور بعض مقامات پر نہایت تفصیل سے) ذکر کر کے قرآن دراصل انسانوں کے ذہن میں یہ قیمتی نکتہ (جس کی طرف عام طور پر انسان کا ذہن بہت کم جاتا ہے) نقش کرنا چاہتا ہے کہ 'موت' زندگی کا خاتمہ نہیں، بلکہ دنیوی زندگی کا خاتمہ ہے اور اسی کے ساتھ ایک دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے یعنی جسے فنا نہیں ہے۔ ممتاز اسلامی مفکر و نامور شاعر علامہ اقبال (جن کی شاعری میں جا بجا قرآنی افکار وتعلیمات کی ترجمانی ملتی ہے) کے اس شعر میں اس حقیقت کی ترجمانی نہایت موثر انداز میں ملتی ہے:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

● **موت کو کثرت سے یاد کرو:** اس میں کسی شبہے کی گنجایش نہیں کہ موت کی یاد انسان

کو غفلت سے بیدار کرتی ہے اور آخرت کی تیاری کی زبردست تحریک پیدا کرتی ہے۔ موت کی یاد انسان کو فخر و مباہات، تکبر و غرور اور عیش و عشرت سے بھری زندگی سے دور رکھتی ہے اور اس کے اندر یہ احساس بیدار کرتی ہے کہ آخر کار اس دارِ فانی سے کوچ کرتے ہوئے سب کچھ (آل و اولاد، مال و دولت، ساز و سامان، عہدہ و منصب) چھوڑ کر جانا ہے تو ان فانی چیزوں پر فخر و غرور اور اترانے کے کیا معنی؟ دنیا کے لوگوں اور دنیا کے ساز و سامان پر بھروسا کس کام کا ہے؟

موت کی یاد کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محض یاد کرنے کی نہیں، بلکہ کثرت سے یاد کرنے کی ہدایت دی ہے اور اسے دنیا کی لذّات کو ختم کرنے والی، یعنی ان کے غلط اثرات سے انسان کو محفوظ رکھنے والی شے سے تعبیر کیا ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَھَا ذِمِ اللذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتِ[۳] لذتوں کو ختم کرنے والی، یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔

بلاشبہہ ہر انسان کو موت کا اتنا ہی یقین ہے، جتنا اپنی زندگی کا یقین ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض مرتبہ (بلکہ اکثر و بیش تر) حرص و ہوس، نفسانی خواہشات، دنیا کی رنگ رلیوں، معاشی و سیاسی زندگی کی مصروفیات میں رہتے ہوئے وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے یا اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ ذکر الٰہی، عبادتِ الٰہی اور دوسرے نیک اعمال سے بے پروا، یعنی آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جیسے اسے موت آنی ہی نہیں ہے۔

اس صورتِ حال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ ارشادِ گرامی (موت کو کثرت سے یاد کرو) کس قدر معنویت و افادیت سے بھرپور ہے۔ اسی ضمن میں اس حدیث کا نقل کرنا بہت برمحل معلوم ہوتا ہے جس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک انصاری صحابی حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کرنے کے بعد انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

اَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَفْضَلُ قَالَ اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً ،قَالَ اَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَکْیَسُ قَالَ اَکْثَرُھُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْراً وَ اَحْسَنُھُمْ لِمَا بَعْدَہٗ اِسْتِعْدَادًا ،اُولٰئِکَ

الْاَكْيَاسُ [۴] مومنین میں کون افضل ہے؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ جو اخلاق میں سے سب سے اچھا ہے۔ پھر انھوں نے معلوم کیا کہ اہلِ ایمان میں سب سے عقل مند کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہو اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے سب سے اچھی تیاری کرنے والا ہو۔ یہی لوگ دراصل عقل مند ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور بزرگ وصوفی حاتم اصمّ بلخیؒ (م: ۲۳۷ھ/ ۸۵۱ء) کے بقول موت واعظ ہونے کے لیے کافی ہے۔[۵] بلاشبہہ انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے موت کو یاد کرنا اور یاد دلانا ایک نہایت مجرّب ونفع بخش نسخہ ہے۔ موت کی یاد میں اس لحاظ سے بھی انسان کے لیے بڑی قیمتی وکارگر نصیحت ہے کہ یہ اس کے اندرون میں اپنے حالات کو سدھارنے کی فکر پیدا کرتی ہے اور آخرت میں نفع دینے والے اعمال کی انجام دہی، یعنی شب وروز گزارتے ہوئے نیکیوں کا خزانہ جمع کرنے پر ابھارتی ہے۔

**●جنازہ وتدفین میں شرکت کی تاکید:** موت کو یاد کرنے کے علاوہ وفات پانے والوں کے اولین مسکن (قبر) پر حاضری اور ان کے ذکرِ خیر میں بھی بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ کسی کی وفات پر جنازہ وتدفین میں شرکت کے علاوہ عام حالات میں بھی قبروں کی زیارت یا قبرستان میں حاضری کے فضائل و برکات احادیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع کیا ہے۔ جن سات کاموں کا حکم دیا گیا ان میں دوسرا حکم ہے: جنازہ کے ساتھ پیچھے پیچھے جانا۔ اَمَرَنَا النَّبِيُّ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ۔ اَمَرَنَا بِاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَ اِجَابَةِ الدَّاعِیْ وَ نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَ اِبْرَارِ الْقَسَمِ وَ رَدِّ السَّلَامِ وَ تَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ [۶] حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں بھی کسی مسلم کے جنازہ کے پیچھے چلنے اور نمازِ جنازہ میں شرکت کی بڑی فضیلت و برکت بیان کی گئی ہے۔[۷] اس میں شبہہ نہیں کہ جنازہ میں شرکت، قبرستان میں حاضری اور وفات پانے والوں کے لیے دعاے مغفرت اہلِ ایمان کے باہمی حقوق میں شامل ہے اور باہمی اخوت وقرابت اور انسانی رشتوں کی پاس داری کے تقاضوں میں سے بھی ہے۔ یہ اعمالِ حسنہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں سے تھے، بلکہ

یہاں تک روایت ہے کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے آپؐ کو ایک شخص کی وفات کی اطلاع نہیں دی گئی، بعد میں لوگوں سے ان کا حال معلوم کرنے پر جب ان کی وفات کی خبر ملی تو آپؐ نے ان کی قبر دریافت کی، وہاں تشریف لے گئے اور نماز جنازہ ادا کی۔[۸] اس کے علاوہ متعدد احادیث میں جنازہ وتدفین میں شرکت کی ترغیب دی گئی ہے۔

●**زیارتِ قبور اور تذکیر موت:** ان سب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس شرکت کے فرضِ کفایہ ہونے کے باوجود اس عمل کی بڑی برکت وفضیلت ہے۔ جنازہ کے علاوہ عام حالات میں بھی قبروں کی زیارت مطلوب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل دونوں سے اس کی تعلیم دی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

> كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الآخِرَةَ[9] میں نے تمھیں (پہلے) قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، پس (اب) قبروں کی زیارت کرو، اس لیے کہ یہ دنیا میں زہد کی صفت پیدا کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

وقتاً فوقتاً قبروں کی زیارت آپؐ کا معمول رہا ہے۔ اس موقعے پر خاص طور آپؐ یہ دعا پڑھتے تھے:

> اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ ، أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ[۱۰] اے اہلِ قبور آپ سب پر سلامتی ہو، اللہ ہماری اور آپ سب کی مغفرت فرمائے، آپ لوگ [ہم سے] پہلے جاچکے اور ہم بس آپ کے پیچھے ہیں۔

مزید یہ کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کو قبرستان میں داخل ہونے کی دعائیں بھی سکھاتے تھے۔ ان میں یہ دُعا بہت معروف ہے:

> اَلسَّلَامُ عَلٰی أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ، نَسْئَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ[۱۱] اے مومنوں ومسلمانوں کی بستی والو! تم پر سلام ہو اور ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، ہم اللہ سے اپنی اور تم سب کی عافیت طلب کرتے ہیں۔

سونے اور بیدار ہونے، سواری پر بیٹھنے، قبرستان میں داخل ہونے، نمازِ جنازہ ادا کرنے اور قبر میں مٹّی ڈالنے کے وقت کی جو دعائیں مسنون ہیں ان سب کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ان سب سے کسی نہ کسی صورت میں موت کی تذکیر بھی مقصود ہوتی ہے۔

حقیقت یہ کہ قبرستان میں حاضری، کچھ دیر قبروں کے پاس کھڑے رہنے اور اہلِ قبور کو یاد کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس سے ذاتی تذکیر ہوتی ہے۔ قبرستان میں حاضری اور قبروں کی زیارت اس لحاظ سے بھی باعثِ عبرت ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ قرآن کریم کے مطابق انسان اپنی اس منزل کی جانب رواں دواں ہے یہاں تک کہ وہ ایک روز اللہ رب العالمین کے سامنے حاضر ہوجائے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِۚ۝۶ (الانشقاق ۸۴:۶)

اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے (ایک مقررہ وقت پر) ملنے والا ہے۔

آخرت کے سفر میں اس پہلی منزل (قبر) کی اہمیت اُس حدیث سے بخوبی واضح ہوتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قبر کے پاس کھڑے ہوکر زار و قطار روتے دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ جنت و دوزخ کے تذکرے پر اس قدر نہیں روتے جس قدر کی قبر کی زیارت پر۔ انھوں نے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ:

اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ[۱۲] قبر آخرت کے منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے [کامیابی کے ساتھ] نجات پا گیا تو بعد کی منازل طے کرنا اس کے لیے نہایت آسان ہوگا اور اگر اس سے نجات نہ پا سکا تو اس کے بعد [کے مراحل میں] جو کچھ ہے وہ اس سے بہت سخت ہے۔

اُس حدیث سے مرحلۂ قبر کی عبرتیں و نصیحتیں مزید واضح ہوتی ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ قبر یہ آواز نہ دیتی ہو: اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ ۔ اَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ ، اَنَا بَيْتُ التُّرَابِ ، اَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ[۱۳] میں اجنبیت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹّی کا گھر ہوں،

میں کیڑے مکوڑے کا گھر ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عبیدؓ کے بیان کے مطابق جب میت کے ساتھ آنے والے واپس چلے جاتے ہیں تو سب سے پہلے قبر ان سے مخاطب ہو کر پوچھتی ہے: ''اے ابن آدم! کیا تو نے میرے حالات نہ سنے تھے؟ کیا تو میری تنگی، بدبو، ہول ناکی اور کیڑوں سے نہ ڈرایا گیا تھا؟ اگر ایسا تھا تو پھر تو نے کیا تیاری کی؟''[۱۴]

ان روایات کے پس منظر میں اُس حدیث کی اہمیت و معنویت مزید بڑھ جاتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ قبرستان میں کھڑے ہو کر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بھائیو! اس (قبر) کی تیاری کرو''۔[۱۵]

اس گھر کی تیاری سے مقصود اس کی پختہ تعمیر اور تزئین نہیں، بلکہ دنیوی زندگی کی تعمیر و اصلاح یا اعمالِ صالحہ سے اس کی آراستگی ہے جو اس گھر میں سکونت کو آرام دہ و خوش گوار بنائے گی۔ یہ نکتہ اس حدیث کی روشنی میں اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قبر میں داخل ہونے والا ایمان و عمل صالح سے مزین ہے تو اس کے لیے قبر وسیع ہو جاتی ہے اور وہ بہترین آرام گاہ بن جاتی ہے۔[۱۶]

اس میں شبہہ نہیں کہ جنازہ میں شرکت اور قبروں کی زیارت اسی پہلی منزل کے لیے تیاری کی یاد دلاتی ہے۔ اس سے نہ صرف اپنی موت یاد آتی ہے، بلکہ موت کے بعد نصیب ہونے والے مسکن (قبر) کا منظر بھی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور یہ احساس قوی ہو جاتا ہے کہ چاہے انسان کتنے عالی شان مکان یا کوٹھی، بنگلہ یا محل کا مکین ہو، آخر کار اسے اسی ٹوٹے پھوٹے، تاریک، کیڑے مکوڑوں والے مٹی کے گھر میں رہنا ہے۔ ایک دو سال نہیں، بلکہ برسہا برس، جب تک قیامت نہ برپا ہو جائے جس کے وقتِ مقررہ کا علم صرف عالم الغیب والشہادۃ کو ہے۔ لیکن موجودہ دور میں افسوس صد افسوس کہ اس عبرت و نصیحت کے مقام (قبرستان) میں بھی بہت سے لوگ گپ شپ، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ اور سیاست و حکومت کے مسائل پر اظہارِ خیال میں وقت گزار دیتے ہیں۔ کاش! قبرستان میں ہوتے ہوئے ہم ذکرِ الٰہی اور فکرِ آخرت میں غرق ہو جائیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ یہ کیفیت اس وقت پیدا ہو گی جب پورے آداب و احترام، حضورِ قلب، انتہائی سنجیدگی

اور رضاے الٰہی کی طلب کے ساتھ اس مقام پر جایا جائے یا قبروں پر حاضری دی جائے اور اس موقع کی مسنون دعائیں پڑھی جائیں۔حقیقت یہ کہ ان مقامات پر اگر کوئی سچی طلب اور سنجیدگی کے ساتھ حاضری دے تو اسے غفلت سے بیداری نصیب ہوگی اور اس پر خشیتِ الٰہی ورجوع الی اللہ کی کیفیت طاری ہوئے بغیر نہ رہے گی۔خلاصہ یہ کہ قبروں کی زیارت سے موت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، آخرت کی تیاری کی فکر بڑھ جاتی ہے، اور اکتسابِ خیر کی طلب پیدا ہوتی ہے۔

● **یکہ و تنہا سفر:** واقعہ یہ کہ اس منظر کو یاد کرنے میں بھی بڑی عبرت ہے کہ دنیا میں انسان کے آل واولاد اور مال و اسباب ہوتے ہیں، مکانات، کھیت و باغات ہوتے ہیں اور اصحابِ ثروت کے یہاں تجوریاں یا بنک لاکرسیم وزر اور زیورات سے بھرے ہوتے ہیں، لیکن اس عارضی مستقر سے رخصت ہوتے ہوئے وہ سب کچھ پیچھے چھوڑ کر یکا وتنہا راہیِ ملکِ عدم ہوتا ہے، قبر میں خالی ہاتھ پہنچتا ہے اور اللہ رب العزت کے حضور یکّا وتنہا حاضر ہوگا۔قرآن نے اس حقیقت سے بھی صاف طور پر انسان کو باخبر کر دیا ہے۔ارشادِ ربّانی ہے:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۝ (مریم۱۹: ۹۵) اور سب کے سب روزِ قیامت یکّا وتنہا اس کے سامنے آئیں گے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام۶: ۹۴) لو! اب تم ویسے ہی تنِ تنہا ہمارے سامنے حاضر ہوگئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ (اکیلا) پیدا کیا تھا۔

گھر سے قبرستان تک کے سفر میں کون سی چیزیں میّت کے ساتھ جائیں گی، اور کون واپس آجائیں گی، اور کون اس کے ساتھ قبر میں باقی رہ جائیں گی؟ اس کی بہترین منظرکشی ایک مختصر، لیکن نہایت سبق آموز حدیث میں ملتی ہے۔اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ [۱۷] تین چیزیں میّت کے پیچھے جاتی ہیں، اس کے گھر والے، اس کا مال [ملکیت کی چیزیں/نوکر چاکر، اور اس کا عمل۔پس دو چیزیں واپس آجاتی ہیں اور ایک [اس کے ساتھ] باقی رہ جاتی ہے۔اس کے گھر والے

اور اس کے مال واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت عطاء ابن یسارؒ سے روایت ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا عمل اسے حرکت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا عمل ہوں۔ میت پوچھتی ہے کہ میرے اہل وعیال کہاں ہیں؟ اور میری نعمتیں کہاں ہیں؟ عمل جواب دیتا ہے کہ یہ سب تیرے پیچھے رہ گئے اور میرے سوا اور تیری قبر میں کوئی نہ آیا۔[۱۸]

● **اللہ کے ہاں جواب دہی کا احساس:** بلا شبہہ قبر کی یا بعد کی منازل میں متوفی کے لیے آخرت میں نفع دینے والے محض اس کے نیک اعمال، حسنات یا نیکیوں کے خزانے ہوں گے جو قرآن کریم کی اصطلاح میں الباقیات الصالحات کہلاتے ہیں۔قرآن کریم میں بار بار اہلِ ایمان کو انھی باقیاتِ صالحات، یعنی باقی رہ کر اُخروی زندگی میں کام آنے والی نیکیوں کا خزانہ جمع کرنے، اسے بڑھانے اور اس راہ میں اللہ کی عطا کردہ جملہ صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (البقرۃ ۲:۲۵،۸۲،۲۷۷؛ النساء ۴: ۱۲۴، الانعام ۶:۱۶۰، ہود ۱۱:۱۱۴، طٰہٰ ۲۰: ۷۵، النمل ۲۷:۸۹، القصص ۲۸: ۸۴، البیّنۃ ۹۸:۷ )

قرآن کریم میں انسان کو موت کی یاددہانی کے ساتھ اس کے بعد قبر میں جانے اور ایک مقررہ مدت کے بعد اس سے اٹھائے جانے کو بھی یاد دلایا گیا ہے (الحج ۲۲:۷، یٰس ۳۶:۵۱، الانفطار ۸۲:۴، العادیات ۱۰۰:۹، التکاثر ۱۰۲:۲)، تاکہ وہ مزید عبرت ونصیحت حاصل کرے، اپنے احوال کو درست کرلے اور نیکیاں کمانے میں مسابقت کرے۔ ان آیات میں سے ایک نہایت سبق آموز اور انسان کو غفلت سے بیدار کرنے والی آیت سورۃ الانفطار کی آیت ۴-۵ ہے:

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ۝۴ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ۝۵ اور یاد کرو اس وقت کو] جب قبریں کھول دی جائیں گی، [اور] ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا دھرا معلوم ہوجائے گا۔

یہ حقیقت ہے کہ موت کی یاد، دوبارہ زندہ کیے جانے کا تصور، اللہ رب العزت کے حضور حاضری اور اعمال کے لیے باز پرس کا احساس اور اس کا یقین انسان کو نیک عمل کی راہ پر ڈالتا ہے، اور بظاہر بعض مشکل عبادات کو بخوشی بجا لانے کے لیے تیار کرتا ہے اور اسے غلط حرکتوں، گناہوں

اور بد دیانتی، بدعنوانی اور فریب دہی وغیرہ سے دُور رکھتا ہے۔ ان حقائق کو خود قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے اور انسان کو انھیں صدقِ دل سے قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ فرض عبادات میں نماز سب سے اہم و افضل ہے۔ پورے اصول و آداب اور وقت کی پابندی کے ساتھ روزانہ پانچ بار اس کی بجا آوری ایک امرِ مشکل ہے، لیکن یہ عمل ان لوگوں کے لیے ذرا بھی مشکل و گراں نہیں جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور اللہ رب العزت کے حضور حاضری میں یقین رکھتے ہیں، جیسا کہ یہ نکتہ سورۂ بقرہ میں واضح کیا گیا ہے:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (البقرہ ۲:۴۵-۴۶) صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک یہ ایک مشکل کام ہے، لیکن ان لوگوں کے لیے مشکل نہیں جو اللہ کی طرف جھکنے والے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ آخر کار وہ [ایک نہ ایک دن] اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔

اسی طرح ناپ تول میں کمی یا لین دین میں بد دیانتی کرنے والوں کو اس قبیح عمل یا گناہ کے کام کے بڑے تباہ کن انجام سے متنبہ کرتے ہوئے انھیں اس طور پر خبردار کیا گیا ہے:

اَلَا يَظُنُّ اُولٰۗىِٕكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین ۸۳:۴-۶) کیا انھیں یہ خیال نہیں کہ ایک بڑے دن (یعنی یوم قیامت) انھیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جب لوگ رب العالمین کے رُوبرو دست بستہ کھڑے ہوں گے۔

یعنی اگر ان میں یہ احساس بیدار ہوجائے کہ انھیں اللہ کے حضور حاضر ہوکر اپنے عمل کا حساب دینا ہے تو وہ بد دیانتی اور گناہ کے دوسرے کاموں کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ نفسانی خواہشات انسان کو غلط کاموں پر ابھارتی ہیں جو انجام کے اعتبار سے اس کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ یومِ جزا اللہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف رکھتے ہیں وہ ان خواہشات کے پیچھے نہیں چلتے، بلکہ ان کو کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے

حقیقی کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ یہی حقیقت اس آیت سے سامنے آتی ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ۝۴۰ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۝۴۱

(النازعات ۷۹: ۴۰-۴۱) اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تو بلاشبہہ جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔

● **خوف اور اُمید کے درمیان زندگی:** آخر میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ موت کی تذکیر اور قیامت و آخرت کے واقعات یاد دلانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یا معاشرتی و معاشی زندگی کی مصروفیات کو تیاگ کر بس موت اور قبر کی زندگی کو یاد کرتا رہے اور قیامت و آخرت کا وِرد کرتا رہے۔ درحقیقت ان سب باتوں کو یاد دلانے سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے اور روز مرہ زندگی کے مشاغل جاری رکھتے ہوئے اُخروی زندگی کی تیاری سے غافل نہ رہے اور فکرِ آخرت سے اس کا دل و دماغ خالی نہ ہوجائے، یعنی وہ جس شعبۂ حیات سے منسلک رہے یا جن مصروفیات سے وابستہ ہو، ان میں احکامِ الٰہی و تعلیماتِ نبویؐ کو یاد رکھے اور انھی کے مطابق شب و روز گزارے، تاکہ اسے ابدی زندگی میں سکون و اطمینان نصیب ہو۔

دراصل قرآن و سنت کی نظر میں مومن سے مطلوب یہ ہے کہ وہ دنیوی زندگی میں موت، قبر، قیامت، حضورِ رب حاضری اور حساب و کتاب کا تصور تازہ رکھے اور بازپُرس کے احساس سے دل کو معمور رکھے، تاکہ اس کے اثر سے فرائض و حقوق کو ادا کرتا رہے، نیکیاں کماتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے۔ مزید یہ کہ یہ سب کرتے ہوئے وہ اللہ رب العزت کے فضل و کرم کا طلب گار اور اس کے بے پایاں رحم و کرم کا امیدوار رہے اور ناامیدی کو پاس نہ آنے دے۔ یہ آیات اہلِ ایمان کو یہی پیغام دے رہی ہیں:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝۹۸ (المائدہ ۵:۹۸)

جان لو کہ بے شک اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے اور بے شک اللہ بہت مغفرت کرنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝۴۹ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَالْعَذَابُ الْاَلِيْمُ۝۵۰

(الحجر ۱۵:۴۹-۵۰) (اے نبیؐ) میرے بندوں کو خبر دار کر دیجیے کہ میں بے شک بہت معاف کرنے والا ہوں اور یہ (بھی بتا دیجیے) کہ میرا عذاب بڑا دردناک ہے۔

مزید یہ کہ قرآن نے اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی حمد و تسبیح اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور خوف و رجا کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں (السجدۃ ۳۲:۱۶)۔حقیقت یہ کہ مومن کی زندگی اِن دونوں کیفیات (خوف و رجا) کے درمیان گزرتی ہے۔ وہ اسی حالت میں رہتے ہوئے شب و روز بسر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ربِّ کریم کے یہاں سے بلاوا آجاتا ہے اور وہ اس عارضی مستقر سے رخصت ہوجاتا ہے۔ یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ اگر کوئی دنیوی زندگی میں موت، قیامت و آخرت کو یاد کر کے اللہ رب العزت کا خوف دل و دماغ میں سمالے گا تو نامعلوم کتنے خوف سے نجات پائے گا اور ابدی زندگی میں اسے ایسی اطمینان بھری کیفیت نصیب ہوگی کہ جس میں نہ غم ہوگا، نہ رنج، نہ کوئی تشویش ہوگی، نہ گھبراہٹ کا گزر ہوگا۔ متعدد آیات میں یہ خوش خبری ایمان و عملِ صالح سے مزین زندگی گزارنے والوں کو سنائی گئی ہے۔(البقرہ ۲: ۳۸، ۶۲، ۲۶۲، ۲۷۴، ۲۷۷، المائدہ۵:۶۹، الانعام۶:۴۸، الاعراف ۷:۴۹، الاحقاف ۴۶:۱۳)

واقعہ یہ کہ اس عارضی زندگی میں اگر کوئی موت کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے اوپر طاری کرلے اور صراطِ مستقیم اختیار کر کے دائمی زندگی میں ہر طرح کے خوف و غم سے نجات پاجائے تو یہ گھاٹے کا نہیں، بلکہ سراسر نفع کا سودا ہوگا۔ اس کے برخلاف جو لوگ موت اور اس کے بعد کے مراحل کو بھلا کر تکذیب وانکار اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق کی پامالی کی ڈگر پر چلتے رہتے ہیں، آخر کار اس کے انجامِ بد سے دوچار ہوں گے اور عذابِ جہنم میں گرفتار ہوجائیں گے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ لوگ یہ اعتراف کریں گے کہ یہ ان کی بہت بڑی بھول تھی، ورنہ انھیں آج یہ برے دن دیکھنے نہ پڑتے۔ حقیقت یہ کہ یہ بے وقت کا اعتراف اور پچھلی زندگی کی غفلتوں کی یادیں ان کے کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ آیتِ کریمہ آخرت کی مناظر کشی کرتے ہوئے اسی حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَاۗءَلُوْنَ۝۴۰ۙ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ۝۴۱ۙ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۝۴۲ قَالُوْا لَمْ

نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ (المدثر ۷۴:۴۰-۴۷) جو جنت میں ہوں گے وہ مجرموں سے پوچھیں گے، تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، اور حق بات کے خلاف باتیں بنانے والوں کے خلاف ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ یقینی چیز (موت) ہمارے پاس آدھمکی۔

مختصر یہ کہ موت اور اس کے بعد کے مراحل کو یاد کرنے میں ہم سب کے لیے عبرت ونصیحت ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن وحدیث میں موت اور اس کے بعد کے مراحل کو بار بار یاددلانا محض برائے یاددہانی نہیں، بلکہ برائے عبرت ہے۔ متعلقہ آیات واحادیث کے مطابق ان سے عبرت پذیری ہمارے لیے انتہائی نفع بخش ہے، لہٰذا اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ ان سب سے مقصود موت وحیات کے خالق ومالک کی یاد کی طرف متوجہ کرنا، اس کے حقوق یاددلانا اور اپنی اصلاح کی فکر کرنا، اس لیے کہ کسی کو کچھ پتا نہیں کہ کب، کس مقام پر اور کس طریقے سے اس کی زندگی کا سلسلہ تمام ہوجائے، اور روزِ جزا اللہ رب العزت کے سامنے حاضری کے لیے تیاری نہ ہونے کی صورت میں کفِ افسوس ملنا پڑے یا وقت موعود کو موخر کرنے کی تمنا کرنی پڑے، جب کہ قرآن کا صاف اعلان ہے کہ انسان کی یہ تمنا پوری ہونے والی نہیں۔(الاعراف ۷: ۵۳؛ المومنون ۲۳:۹۹-۱۰۰، ۱۰۷-۱۰۸، المنافقون ۶۳:۱۰-۱۱)

دراصل انسان کو موت اور بعد کے احوال کی یاددلا کر یہ سبق دینا ہے کہ آخری وقت کے آنے سے پہلے وہ اپنے آپ کو تیار کرلے اور اس گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے نصیحت حاصل کرلے اور اپنی اصلاح کرلے کہ جب موت سامنے ہونے یا قیامت برپا ہونے اور اعمال نامہ ملنے پر وہ نصیحت پکڑے گا اور نیک عمل کرنے کی کچھ مہلت چاہے گا تو اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کا وقت نکل چکا ہوگا۔ ارشادالٰہی ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ (الفجر ۸۹:۲۳) اس دن انسان

کی سمجھ میں آجائے گا اور اس وقت سمجھ میں آنے سے کیا حاصل ہوگا۔

حدیث میں اس شخص کو دانش مند کہا گیا ہے جو دنیا میں رہتے ہوئے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرتا رہے (الکیّس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت)۔[19] اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو سمجھنے، انھیں دل و دماغ میں نقش کرنے اور ان کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے، اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

## حواشی و مراجع


۱- معارف القرآن، مکتبۂ مصطفائیہ، دیوبند، بدون تاریخ، ۱/ ۹۳

۲- شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ: رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، دہلی، بدونِ تاریخ، ص ۴-۵، ۲۶-۲۷

۳- سنن ابن ماجہ، باب الزہد، باب ذکر الموت، حدیث: ۴۲۵۶

۴- جامع ترمذی، ابواب الزہد، باب ما جاء فی فظاعة القبر وانه اوّل منازل الآخرة

۵- دارا شکوہ، سفینۃ الاولیاء، ترجمہ: محمد وارث کابلی، صابری بک ڈپو، دیوبند، ص ۱۵۴

۶- بخاری، کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز

۷- بخاری، کتاب الجنائز، باب فضل اتباع الجنازۃ

۸- بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی القبر بعد ما یدفن

۹- سنن ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی زیارۃ القبور

۱۰- جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما یقول الرجل اذا دخل المقابر، حدیث: ۱۰۰۹

۱۱- مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقول عند دخول القبور والدعاء لاہلہا، حدیث: ۱۶۷۱

۱۲- سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب ذکر القبر والبلیٰ

۱۳- جامع ترمذی، ابواب صفة القیامة

۱۴- محمود احمد ظفر، نقشِ ممات، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ص ۱۶۱

۱۵- نقشِ ممات، ص ۱۴۸

۱۶- جامع ترمذی، ابواب صفة القیامة [باب حدیث اکثروا من ذکر ھاذم اللذات]

۱۷- بخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، حدیث: ۶۱۵۹

۱۸- نقشِ ممات، ص ۱۵۸

۱۹- سنن ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ